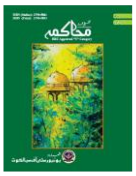

علمی و تحقیقی مجلہ "محاکمہ" یونیورسٹی آف سیالکوٹ

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

ڈاکٹر سبینہ اویس اعوان، ایسوی ایٹ پروفیسر شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج وومن یونی ورسٹی، سیال کوٹ

ڈاکٹر نازیہ سحر، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، اسلامیہ کالج یونیورسٹی، پشاور

اقبال کا تصورِ شاہین اور پاکستانی جوان کا منصب

Iqbal's concept of Shaheen and the position of Pakistani youth

Dr. Sabina Awais, Associate Professor, Govt. College Women University Sialkot.

Dr. Nazia Sahar, Assistant professor, Department of Urdu,Islamia CollegeUniversity Peshawar.

Abstract

Iqbal was a philosopher, national poet, writer and credible thinker. He had a great association and expectations from his young generation. He was a great leader who work day and night for Muslim Ummah, Iqbal tried to boost the energy of young muslim nation by describing the enlightened picture of their forefathers. Iqbal advised his nation because he believed in struggle. He knew that great nations always get enery from research and struggle. It was iqbal's and he transformed his ideology in his Shaheen. This article is based on academic efforts to explore the concept of Shaheen and stature of Pakistan's young generation.

Key Words: Leader, Research, Struggle, Muslim Ummah, Young Generation, Credible Thinker.

اقبال مفکرِ اسلام، شاعرِ مشرق، حکیم الامت، دانائے راز، ترجمانِ خودی کے القابات سے نوازے گئے، جن کی فکر نے تاریخ کے دھارے کا رُخ موڑ دیا، جن کے کلام نے صورِ اسرافیل کا کام کیا اور جس نے خوابیدہ اُمت کو بیدار کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے عروقِ مردہ میں خونِ زندگی کی گردش پیدا کی۔ وہی اقبال جس نے پوری دنیائے ادب کو متاثّر کرنے کے ساتھ ساتھ ادب کے فکری رویوں کو بھی متاثر کیا۔ اقبال نے اپنی قوم کو پستیوں سے نکال کر خود شناسی کے افلاک پر متمکن کیا۔ اس صاحبِ فکر و نظر نابغۂ روزگار شاعر کا ہر شعر زندگی کا درس دیتا ہے اس کا ایک ایک لفظ آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہے کیوں کہ اقبال ایک ایسا دانش ور ہے جو ماضی کے حسن و قبح پر بھی گہری نگاہ رکھتا ہے جو حال کے زیر و بم سے بھی واقف ہے اور جو مستقبل کے نور و ظلمت کو بھی پیشِ نظر رکھتا ہے، جس کے ایک ہاتھ میں روایاتِ صالحہ کا چاند ہے تو دوسرے ہاتھ میں جذبوں اور ولولوں کا دورج۔ اسی لیے جب وہ ملک و ملت کے بالغ افراد کو اپنے ہمراہ لے کر چلتا ہے وہیں نوجوانوں کو بھی اپنے تخیل کی بھٹی میں کندن بنانے کی فکر میں گم رہتا ہے۔ شاعرِ مشرق کی

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

نگاہ جب اپنی قوم پر پڑی تو انھیں ساری قوم ایک گم کردہ گروہ کے مانند منتشر نظر آئی انھوں نے اسے آواز دی اور "بانگِ درا" سے انھیں ایک کارواں بنادیا اس کا واشگاف الفاظ میں اظہار انھوں نے "پیامِ مشرق" میں "لالۂ طور کی ایک رباعی میں کیا۔

"اقبال کی شاعری میں مردِ مومن، نوجوان، فرزندِ کوہستانی، نئی نسل یا نژادِ نو کا ایک اور نام بھی ہے اور وہ نام ہے "شاہین" بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اقبال نے اپنے کالم میں اپنے "مثالی نوجوان" کو عموماً شاہین کہہ کر پکارا ہے۔ اس لیے کہ ایک مثالی نوجوان میں اقبال جس قسم کے اوصاف دیکھنے کے آرزومند ہیں وہ انھیں شاہین میں نظر آتے ہیں" (1)

اقبال نے خود بارہا فرمایا کہ "شاہین" کی تشبیہ محض شاعرانہ "شبیہ" نہیں ہے بلکہ اس جانور میں اسلامی فقر کی تمام خصوصیات دِکھائی دیتی ہیں۔ خودداری، غیر تمندی، بلند پروازی، خلوت پسندی اور تیز نگاہی شامل ہیں۔ اقبال اپنے زوال آمادہ، آرام طلب اور جنگ گریزاں مسلمان کو جھنجھوڑتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ حسب و نسب اور خیالات و افکار کے اعتبار سے شاہین نسل سے تعلق رکھتے ہیں اور شہِ لولاک کا شاہین ہے اقبال کو شاہین اس لیے بھی پسند ہے کہ:

"شاہین پرندوں میں خاص مقام رکھتا ہے۔ وہ اپنا گھونسلا نہیں بناتا بڑے بڑے اور اونچے درختوں کی چوٹیوں پر بسیرا نہیں کرتا۔ وہ پہاڑوں کی چٹانوں پر رہتا ہے۔ اتنا اونچا اُڑتا ہے کہ نظروں سے دور ہو جاتا ہے زیادہ وقت اُڑنے میں صرف کرتا ہے وہ تھکتا نہیں اپنے بچوں کو چیل اور کوے جیسے لالچی پرندوں کے ساتھ کھیلنے نہیں دیتا تاکہ وہ ان کی عادتوں کو اپنا نہ لیں"(2)

شاہیں آشیاں گریز ہوتا ہے یہ آشیانہ نہیں بناتا بلکہ خانہ بدوشوں کی طرح فطرت کے قریب رہ کر زندگی گزار دیتا ہے۔ اقبال اپنے نوجوانوں کو شاہین کے مانند پہاڑوں کی چٹانوں پر بسیرا کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ اقبال اپنے شاہین نوجوانوں کے لیے ستاتے رہنے اور استراحت میں مستغرق ہونے کے قائل نہیں۔ شاہین کے محاسن جب نوجوانوں میں پیدا ہوتے ہیں تو وہ کامیابی کی جانب گامزن ہوتے ہیں۔ کیوں کہ شاہین قوت و شوکت کی علامت ہے۔ اقبال کا محبوب پرندہ شاہین سخت کوشی، بلند پروازی اور رفعت پسندی کا عملی ثبوت بہم پہنچاتا ہے۔ اقبال کی خواہش ہے کہ ہر مسلمان نوجوان خودداری، خوداعتمادی، بے نیازی، بلند پروازی، دوراندیشی، جہدِ مسلسل، عملِ پیہم کی دولت سے مالا مال ہو۔ جب نوجوان ایک بار بیدار ہو گیا تو دنیا کی کوئی قوم ان پر حکمرانی نہیں کر سکتی۔

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

اقبال شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک مفکر اور فلسفی بھی تھے وہ جانتے تھے کہ کسی قوم کو میدانِ عمل میں لانے کی دعوت دینا ہو تو اس قوم کی نوجوان نسل کو درسِ عمل دے کر اسے خوابِ غفلت سے بیدار کی جاتا ہے۔ لہٰذا انھوں نے نوجوان نسل کو بیداری کا پیغام دیا۔ انھوں نے ان نوجوانوں کے افعال و کردار کا تقابل اپنے آباؤ اجداد سے کرتے ہوئے انھیں یہ احساس دلایا کہ وہ ایسی قوم کے سپوت ہیں جنھوں نے شہنشاہیت کو اپنے قدموں کے نیچے کچل دیا جن کا شعار شانِ امارت میں "الفقر فخری" رہا۔

اقبال نے آباؤاجداد کی شان و شوکت کا عصرِ حاضر کے مسلم نوجوان سے تقابل کیا۔ انھیں اپنے اسلاف کی میراث حاصل کرنے کی تلقین کی۔ جو آج یورپ کی لائبریریوں کی زینت بنی ہے۔ اقبال جب علم کے موتی اپنے اسلاف کی کتابوں کا مطالعہ یورپ میں کرتے ہیں تو ان کا دل سیپارہ ہو جاتا ہے۔ اقبال کے نزدیک عہدِ حاضر کی نوجوان نسل اپنے تہذیب و تمدن، علومِ دینی و دنیوی اور اسلاف کے افکار و اقدار کا مطالعہ کرے۔ یہ وہی افکار و اقدار ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر یورپ نے ترقی کی منازل طے کیں۔ اقبال کو اپنے نوجوانوں سے بہت محبت تھی انھوں نے اپنے کلام میں واشگاف الفاظ میں اس شفقت و محبت کا اظہار بھی کیا۔ صوفی غلام مصطفیٰ تبسم "علامہ اقبال تعلیم اور تربیت" میں لکھتے ہیں:

> "جب بھی کوئی نوجوان اقبال سے سوال پوچھتا تھا تو ان کے چہرے پر شگفتگی آجاتی تھی اور ان کا لہجہ بدل جاتا تھا اور وہ بڑے جوش و خروش اور ولولے کے ساتھ اس سے باتیں کرنے لگ جاتے اور ہر وہ نوجوان جو کہ ان کی گفتگو سن کر جاتا وہ ایک تڑپ لے کر جاتا اور اس کو یہ خیال ہوتا کہ میں پھر یہاں آؤں گا"(3)

اقبال اپنے نوجوانوں کو مستی گفتار کے بجائے مستی کردار کے علم بردار بنانا چاہتے تھے وہ عقابی شان والے خاکی کو زندہ تر، تابندہ اور روشن دیکھنے کے تمنائی تھے۔ ان کی شاعری میں جہاں بھی شاہین کا لفظ استعمال ہوا ہے وہاں ان کا اشارہ نژادِ نو کی جانب ہے۔ وہ مسلمان زادوں میں شاہین اور شاہینی صفات دیکھنے کے خواہاں تھے۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر "اقبالیات کے چند خوشے" سیرت اکیڈمی بلوچستان بارِ دوم ۱۹۹۷ میں لکھتے ہیں:

> "علامہ اقبال ہماری ملت کے ایسے ہی شہ دماغ ہیں۔ وہ جوانی کو محض ترنگ سے بھرپور اور خوشدلی سے معمور ہی نہیں سمجھتے بلکہ نژادِ کہنہ کا وارث اور ہر لمحہ دبے پاؤں داخل ہونے والے مستقبل کا امین گردانتے ہیں اور جیسے مستقبل بجائے خود پردۂ غیب میں ہے ویسے ہی یہ نوجوان طبقہ، یہ نژادِ نو ہنوز منتظرِ شہود ہے۔ لہٰذا جہاں وہ مستقبل کے آیندہ نقوش کی

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

نشاندہی کرتے ہیں وہیں وہ اس کی مطابقت سے نژادِ نو میں مستور و مفلوف اور صاف و خصائل کی تربیت کرتے ہیں تاکہ وہ اس ذمہ داریوں کے اہل ہو سکیں"(4)

اقبال انہی نوجوانوں کے لیے فرماتے ہیں:

وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا
شباب جس کا ہے بے داغ، ضرب ہے کاری

اقبال تاحیات قوم کو شاہین بناتے رہے اور ساتھ ہی تلقین بھی کرتے رہے۔

وہ فریب خوردہ شاہیں کہ پلا ہو کرگسوں میں
اسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ و رسمِ شاہ بازی

المیہ یہ ہے کہ کرگسوں کی قوم نے زاغ بن کر شاہین اور شاہین بچہ کو خراب کر دیا، شاہین کی صفات پیدا کرنے کے بجائے اس کے معنی بدل کر رکھ دیے۔ اقبال کو یقین تھا کہ مغربی تہذیب اپنا کردار ادا کر چکی اس کا ترکش خالی ہو چکا ہے اب وہ اس پکے ہوئے پھل کے مانند ہے جو ٹوٹ کر گرنے والا ہے۔ اقبال مغرب کی اندھی تقلید کے مخالف تھے لیکن اس کی اچھائیوں کے معترف بھی تھے۔

علامہ اقبال کی نگاہ کو "عروقِ مردۂ مشرق" میں پھر سے خونِ زندگی دوڑتا ہوا نظر آتا ہے اقبال کو عصرِ حاضر کا نوجوان طوفانِ مغرب کے طلاطم کی زد میں تھپیڑے کھاتا ہوا نظر آتا ہے۔ اقبال کے عقیدے کے مطابق یہی اُن کے گوہر کی سیرابی کا پیشہ خیمہ ہے اور وہ وقت دور نہیں جب مسلمان کو نگاہِ حق سے وہی شکوہ ترکمان، ذہنِ ہندی اور نطقِ اعرابی حاصل ہو گا۔ ان تمام کیفیات کا اظہار اقبال نے اپنے من میں ڈوب کر سراغِ زندگی پانے اور نظم "طلوعِ اسلام" میں کیا۔ پروفیسر سیّد محمد عبدالرشید فاضل، "اقبال اور پاکستان"، انجمن ترقّیِ اردو پاکستان، ۲۰۱۸ میں لکھتے ہیں:

"خود کو پہچان، اپنی خداداد صلاحیتوں سے بھرپور کام لے اور نتیجہ مشیتِ الٰہی پر چھوڑ دے۔ یہ کیا بات ہوئی کہ خود کچھ نہ کرو اور تقدیر کا شکوہ کرو! تمھارے اندر تو ایسا سیلِ بے پناہ ہے کہ اس کے آگے کوہِ گراں بھی کاہ کی حیثیت رکھتا ہے"(5)

اقبال تعلیم کے ذریعے نوجوانوں میں وسعتِ خیال، وسیع مشربی اور حریت پسندی پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اقبال ایسے نوجوانوں سے محبت کرتے ہیں جو ستاروں پر کمند ڈالیں۔ ہمارا نظامِ تعلیم مستعار خیالات پر مبنی ہے۔ غیر ملکی ذہنی اور تہذیبی سرمایے کا پرتو ہے۔ غیر ملکی زبان ذریعۂ تعلیم ہے۔ درحقیقت محکوم کے دل و دماغ کو اپنی گرفت میں لینے کے لیے

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

ان کے نظامِ تعلیم پر قبضہ کرنا ضروری ہے۔ اس میں قومی ناموس کا احساس پیدا ہو اور وہ اپنے وسائل اور ذرائع سے تخلیقی سرگرمیوں کو تیز کرے۔ تخلیقی اور تحقیقی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے لیے ازد حد ضروری ہے کہ انسانی تخیل آزاد ہو۔ اقبال کے نزدیک غلام قوم کے بچوں اور نوجوانوں کی روح مردہ ہو جاتی ہے وہ اپنے مقصدِ حقیقی کو فراموش کر دیتے ہیں۔ اقبال "ٹیپو سلطان کی وصیت" کے عنوان سے "ضربِ کلیم" میں فرماتے ہیں۔

تو رہ نوردِ شوق ہے منزل نہ کر قبول
لیلیٰ بھی ہم نشیں ہو تو محمل نہ کر قبول

اقبال کو اپنے شاہینوں سے محبت تھی وہ اپنے کلام میں واشگاف الفاظ میں انھیں اپنی حالت کے بدلنے، محنت، لگن، جدوجہد کرنے اور تقدیر بدلنے کا مشورہ دیتے ہوئے انھیں کائنات کی تسخیر کے لیے دعوتِ عمل دیتے ہیں۔ اقبال اسلاف کی میراث اور بزرگوں کے اسوۂ حسنہ اور طور طریقوں کا ذکر کر کے انھیں جھنجھوڑتے اور ان کے لیے درست راہوں کا تعین بھی کرتے ہیں۔ اقبال کو نوجوانوں سے بہت امیدیں وابستہ تھیں وہ نوجوانوں میں مردِ مسلم، مردِ مومن کی صفات دیکھنے کے تمنائی تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ نوجوان نسل علم و آگاہی سے لیس ہو کر مصاف زندگی میں آگے بڑھیں اور ملک و قوم کی قسمت کو تبدیل کریں۔ اقبال نوجوانوں کے لیے اس طرح دعا گو تھے:

جوانوں کو میری آہِ سحر دے
پھر ان شاہین بچوں کو بال و پر دے

خدایا آرزو میری یہی ہے
میرا نورِ بصیرت عام کر دے

سیّد عابد علی عابد لکھتے ہیں:

"الفاظ و معانی میں مطابقت پیدا کرنے کے لیے دل بیدار اور چشمِ بینا کی ضرورت ہے۔ اقبال کی نگاہ ایسی دوررس ہے کہ گویا لفظ کے سینے میں اتر جاتی ہے اور اس کے تمام امکانات کو ٹٹول لیتی ہے اور پھر جب وہ اپنے مطلب کو اپنے منتخب الفاظ میں ادا کرتا ہے تو محسوس ہوتا ہے کہ گویا اس مطلب کے لیے یہی الفاظ وضع کیے گئے تھے اور اب ان میں ذرا سا ترمیم و تغیر کیا گیا تو معنی کے لطیف ترین پہلو تشنۂ اظہار رہ جائیں گے"(6)

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

اقبال نے بعض ایسے الفاظ جو اسمِ نکرہ کے طور پر استعمال ہوتے تھے انھیں مصدری معنوں میں استعمال کر کے معنوی طور پر اہم بنا دیا ہے۔ مثلاً انھوں نے زاغ، چرخ، شاہین اور شیر وغیرہ کا معنی خیز انداز میں استعمال کیا ہے۔ اقبال نے ان الفاظ کا استعمال مضبوط علامت کے طور پر کیا ہے۔ اقبال نے بہت سی نامانوس تراکیب اس انداز سے استعمال کی ہیں کہ وہ بالکل مانوس اور عام فہم معلوم ہوتی ہیں۔

اقبال اپنے دور کے ہندی مسلم نوجوانوں سے واقف تھے کہ ان کا دل درد اور تڑپ سے خالی نہیں۔ لہٰذا اقبال نے اس کے انگارۂ خاکی میں یقین پیدا کرنے کی دعوت دی۔ پھر اپنے ہندی نوجوان مسلم کو جو غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے، بجائے شمشیر اور تدبیر سے جنگ کرنے سے پہلے اپنے اندر یقینِ محکم پیدا کرنے کی تلقین کی۔

ان مسلم نوجوانوں کو اپنی تقدیر بدلنے کے لیے اپنے اندر نگاہِ مردِ مومن کی تاثیر اور زورِ بازوئے حیدری پیدا کرنے کی نصیحت کی۔ اقبال نے یقینِ محکم پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ انسان کے دل میں یقینِ محکم پیدا کرنے کے لوازمات کا ذکر کر کے رہنمائی کی کہ سب سے پہلے ہندی مسلم نوجوانوں کو دنیاوی خواہشات اور حرص و ہوا کو بالائے طاق رکھ کر آزادی کے لیے ایثار و قربانی سے کام لینا ہو گا۔ آقا و بندہ کی تمیز جس پر فسادِ آدمیت کی بنیاد ہے اس کی بیخ کنی لازمی ہے۔ ایثار و قربانی کا مقصد حاصل ہو اور محبت و اخوت کا جذبہ موجزن ہو تو پھر بالیقین یہی وہ ہتھیار ہیں جن کے ذریعے نہ صرف غلامی کی زنجیریں کٹ جاتی ہیں بلکہ جہادِ زندگانی میں یہ مردوں کی شمشیریں ثابت ہوتے ہیں۔ لہٰذا اقبال نے نوجوان مسلمان کو محبت و اخوت، یقینِ محکم اور عملِ پیہم کا پیام دیتے ہوئے یہ بتایا کہ تعمیرِ ملت کا سرمایہ یہی یقینِ محکم ہے اور یہی وہ قوت ہے جس سے ایک قوم کی تقدیر بنائی جا سکتی ہے۔

اقبال رجائیت پسند تھے۔ اگرچہ انھیں اپنے دور میں شکستگی کا احساس ضرور تھا لیکن اس کے باوجود انھیں آنے والا دور روشن اور درخشاں دِکھائی دے رہا تھا۔ کیونکہ ان کی چشمِ دِل نے جگر خوں ہو کر تمام مناظر دیکھ لیے تھے۔ اقبال نے مسلمان نوجوان کو پھر سے شیرازہ بندی کی دعوت دیتے ہوئے ضروری اقدمات کی جانب توجہ مبذول کروائی مثلاً اقبال نے مسلمانوں کو رنگ و نسل اور حسب و نسب کے بتوں کو پاش پاش کر کے ملتِ اسلامیہ میں گم ہونے کی تلقین کی۔ علاوہ ازیں اتحادِ عالمِ اسلامی کی ضرورت کے پیشِ نظر توران، ایران اور افغانستان کی قومی سرحدوں کو توڑ کر ملتِ اسلامیہ کی حیثیت سے ایک ہونے کا پیغام دیا۔

بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی ہے باقی ، نہ ایرانی ، نہ افغانی

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

اقبال پاکستانی نوجوان کو خاص انسان کی صورت میں دیکھنا چاہتے جو اقبال کے عالمِ خیال میں ہے۔ اس کا پیکر اقبال کی آرزوئے دنیا میں ہے۔ یہ انسان مثالی معاشرے کا موزوں و پسندیدہ فرد ہو اس کے حقیقی نمونے اقبال نے اپنے کلام میں قارئین کے سامنے بھی پیش کیے مثلاً صحابہ کرام، حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابوذر، حضرت بلال رضوان اللہ کرام اجمعین کے علاوہ سلاطینِ قدیم و جدید اور بعض اولیا کرام شامل ہیں۔ اقبال کے پسندیدہ انسان کی ایک جھلک "جاوید نامہ" میں بعنوان "خطاب بہ جاوید" (سخنے نہ نژاد نو") میں بھی ملتی ہے اقبال کی خواہش ہے کہ پہلے نوجوان کے دل میں سوزِ لا الٰہ پیدا ہو بعد ازاں علم حق کی جانب توجہ ضروری ہے۔ اقبال کے پسندیدہ انسان کے خد و خال قرآن کریم میں موجود ہیں پھر اس اسلامی علم اخلاق پر انھوں نے اپنے تصورات کی بنیاد رکھی۔ اقبال نوجوانوں میں اس نوع کی صفات کے عروج کے تمنائی ہیں اور اس انداز اور ایسے الفاظ میں دعا گو کرتے ہیں کہ ان سے فغانِ نیم شبی کی صدا آتی ہے۔

تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے
دلِ مرتضیٰ سوزِ صدیق دے
جگر سے وہی تیر پھر سے پار کر
تمنا کو سینوں میں بیدار کر
جوانوں کو سوزِ جگر بخش دے
مرا عشق ، میری نظر بخش دے

ڈاکٹر آغا یمین، "اقبال اور نژادِ نو"، بزمِ اقبال لاہور، ۱۹۸۴ کے صفحہ نمبر ۸۰ میں رقم طراز ہیں:

"اقبال کی روح آج بھی اس بات کی منتظر ہے کہ مصورِ پاکستان کی نوجوان نسل اپنے آباؤاجداد کی میراث حاصل کر کے آگے کب بڑھتی ہے اور آج کی دنیا کی دوڑ میں ترقی کی منازل طے کر کے دستارِ فضیلت کب اپنے سر پر رکھتی ہے۔ وہ آج بھی پاکستانی نوجوان نسل کو "بانگِ درا" کی مشہور نظم "طلوعِ اسلام" میں پیامِ بیداری دے رہے ہیں" (7)

اقبال نے طلوعِ اسلام کا آغاز ہی دلیلِ صبح روشن سے کیا ہے۔

اقبال علم کو ایک وحدت سمجھتے ہیں اور اسی نقطۂ نظر سے وہ مسائل کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ انھیں علوم میں تفریق کرنے اور انھیں الگ الگ حیثیتوں میں رکھنے کے قائل نہ تھے اقبال کی خواہش تھی کہ دورِ حاضر کا نوجوان تاریخ اور

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

فلسفہ، مابعد الطبیعیات اور معاشیات سے لے کر فقہ اور مطنق تک ہر میدان کا ماہر ہو۔ یہ امر شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ اقبال بنیادی طور پر اسلامی علوم کے میدان میں تحقیق کا جذبہ رکھتے تھے لیکن ان کا نقطۂ نظ آفاقی تھا۔ اقبال کسی قسم کا امتیاز روانہ رکھتے ہوئے علوم و فنون کی ہر جہت سے اپنے نوجوانوں کو لیس کرنا چاہتے تھے۔ اقبال اپنے شاہینوں کو سیاسی اعتبار سے ایک اہم قوت کی حیثیت سے اُبھرتے ہوئے دیکھنا چاہتے تھے۔ اقبال کی خواہش ہے کہ ہماری نوجوان نسل علمی اعتبار سے اقوامِ عام میں نمایاں مقام حاصل کرلے، علمی امامت Intellectual Leadership کا بلند منصب جو مسلمانوں کی غفلت شعاری کے نتیجے میں ان سے چھین لیا گیا ہے اسے دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اقبلا نے اپنے مکاتیب میں بھی جو بعنوان "اقبال نامہ" دو جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں اس امر کی گواہی دیتے ہیں کہ اقبال نے طالب علموں کی ذہنی تربیت کی ہر ممکن کوشش کی۔ محمد حامد، "افکارِ اقبال" اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۸۴ لاہور، ص ۱۵۵ میں لکھتے ہیں:

> "علامہ چاہتے تھے کہ مسلمان اپنے علمی ورثہ جو یورپ کے کتب خانوں میں جا پہنچا ہے، سے استفادہ کریں اور اس علمی خزانے کے لٹ جانے پر انھوں نے جس دردمندی سے نوحہ کیا ہے اس سے ان کی علمی دلچسپیوں اور بے پناہ جذبے کا حال کھلتا ہے"(8)

عصر حاضر میں جب دل و دماغ میں مایوسی کچوکے بھرتی ہے ذہن میں متنوع سوالات جنم لیتے ہیں کہ کیا آج کا نوجوان سست روی کا شکار ہے کیا وہ تساہل پسند ہے کیا وہ بداندیشی یا کم کوشی کو خیر باد کہہ کر شاہین کے مانند جاں کاہی، رفعت پسندی اور جگر سوزی کو اپنائے گا یا نہیں تو اقبال کے اشعار ذہن کے نہاں خانوں میں گونجتے رہیں گے۔

اقبال کے نزدیک اس آدمِ خاکی کے عروج کے منتظر ہے تمام یہ کہکشاں، ستارے، یہ نیلگوں افلاک۔ اقبال نے دنیائے اسلام کے تمام نوجوانوں کو جو مستقبل قریب میں تمام دنیائے اسلام کا ستون ہو گی انھیں اسلاف کا قلب و جگر ڈھونڈنے کی تلقین کرتے ہوئے صداقت، شجاعت کا درس دیا۔ عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق حکیم الامت کا یہ پیغام نہ صرف نوجوان مسلم کے لیے بلکہ تمام دنیائے اسلام کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہو گا۔

ہماری نوجوان نسل مستقبل میں زمانے کی امامت اسی صورت میں کر سکے گی جب وہ رسولِ مقبول ﷺ کے آخری پیغام "لا الٰہ الا اللہ" کی رمز سے آشنا ہو کر اس پر عمل پیرا ہو گی۔ اقبال کے اس پیغام کو مشعلِ راہ بنا کر اسلام کے احیا اور پاکستان کے ارتقا کے لیے اگر تن من دھن اور جان و مال کی قربانی بھی دینا پڑے تو دریغ نہیں کرنا چاہیے۔ اقبال

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

کو اپنے شاہینوں سے بہت محبت تھی اس کا واشگاف الفاظ میں اظہار ان کے کلام میں ملتا ہے۔ صوفی غلام مصطفیٰ تبسم کے خیال کے مطابق نوجوان نسل اقبال سے محبت کا صلہ اس صورت میں دیں کہ:

"ان کے کلام کو پڑھیں اس پر غور کریں اور خاص کر وہ نظمیں دیکھیں جو کہ انھوں نے جاوید اقبال اپنے بیٹے کے نام لکھی ہیں۔ انھیں غور سے پڑھنے کے بعد معلوم ہو گا کہ وہ صرف جاوید کے نام نہیں ہیں بلکہ ہر نوجوان کے نام ہیں۔ پاکستان کے اس نوجوان طبقہ کے بارے میں ہیں جسے وہ اپنا بیٹا کہہ کر پکارتے ہیں"(9)

طلبہ ہوں یا دانش ور، رہنما ہوں یا رہبر، حکمران ہوں یا عوام غرض اقبال سب میں شاہبازی کی صفات دیکھنا چاہتے ہیں۔ اقبال نے اپنی مثنوی مسافر میں ظاہر شاہ والیِ افغانستان کو نصیحتیں کی ہیں جن میں صاحبِ اقتدار شخص کے فرائض بتائے ہیں:

"فرماتے ہیں اے جوانِ سخت کوش! میں تجھے بتاتا ہوں کہ فردا کیا ہے؟ فردا دخترِ امروز و دوش ہے۔ جس نے اپنے آپ کو صاحبِ امروز کر لیا اس کے گرد سپہر گرداں بھی پھرتا ہے ایسا شخص اس جہان کی آبرو ہوتا ہے۔ دوش بھی اس کا ہے، امروز بھی اسی کا اور فردا بھی اس کا ہے"(10)

اقبال نے بظاہر نصیحتیں نوجوان نسل کو کی ہیں مگر حقیقت میں ہر مسلمان حکمران بلکہ عام مسلمان کے لیے بھی ہیں۔ چونکہ اقبال کے پیشِ نظر پاکستان کا تصور تھا، تصور ہی نہیں بلکہ اس کو ایک حقیقت سمجھتے تھے۔ اس لیے ان کو محولہ بالا نصیحتیں کرنا بھی ضروری ہے۔ پاکستان بننے کے بعد ہمارے حکمران بھی ان نصیحتوں پر عمل پیرا ہو کے اپنے ملک و قوم کی درست معنوں میں خدمت کر سکتے ہیں کیونکہ "سلطنت در دین ما خدمت گری است" مگر افسوس کہ ان نصیحتوں پر ہمارے حکمرانوں اور عوام نے عمل نہ کیا ورنہ یہ لیل و نہار نہ ہوتے۔

کلامِ اقبال نہ صرف ہندی مسلم نوجوان کے لیے مشعلِ راہ تھا بلکہ آج بھی پاکستانی نوجوان مسلم کے لیے بالخصوص اور دنیائے اسلام کی نوجوان نسل کے لیے بالعموم ارتقائی منازل طے کرنے کے لیے بہت ضروری ہے۔ جس طرح اقبال کے مؤثّر کلام نے نوجوانوں کا لہو گرما کر انھیں غلامی کی آہنی زنجیروں سے آزاد کروایا۔ اس طرح کلامِ اقبال عصرِ حاضر میں بھی حکیمِ ملت اور مفکرِ اسلام ہونے کی حیثیت سے نہ صرف پاکستانی نوجوان بلکہ تمام دنیائے اسلام کے لیے شمع ہدایت ثابت ہو گا۔ کلامِ اقبال آفاقی نوعیت کا ہے۔ آج اکیسویں صدی میں بھی حکیم الامت اور مفکرِ اسلام کی پیشین گوئیاں حرف بحرف درست ثابت ہوتی جا رہی ہیں۔ اقبال کی دور بین نگاہ کو آنے والے دور کی تصویر صاف دِکھائی

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

دے رہی تھی چنانچہ بانگِ درا کی ایک نظم بعنوان "دنیائے اسلام" کے آخر میں اس کا اظہار اقبال نے کیا۔ اور پھر اپنے کلام کے ذریعے آنے والے دور کی ایک دھندلی سی تصویر بھی دِکھا دی۔ کلامِ اقبال کی جادوئی تاثیر کی وجہ سے مسلم نوجوان نے اپنی جدوجہد سے پاکستان حاصل کر لیا۔ آج قوم کو اپنے جوانوں کی اس ہمت اور ارادے کی پہلے سے بھی زیادہ ضرورت ہے اس لیے عصرِ حاضر میں اقبال کی شاعری کی اہمیت بھی دوچند ہو گئی ہے۔

المختصر اہلِ علم سے التماس ہے کہ وہ پیرویِ اقبال کریں اور کالمِ اقبال کو مقدس اور مطہر معنوں میں استعمال کریں کہ اس کلام میں استعمال ہونے والا ہر شعر ہر مصرع دل و دماغ اور روح میں ایک قوت پیدا کر دیتا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم پیامِ اقبال کو زیادہ سے زیادہ اپنائیں کیونکہ اس میں پوری انسانیت کی فلاح پوشیدہ ہے۔

حوالہ جات

1: سیّد قاسم محمود، "پیامِ اقبال بنام نوجوانانِ ملت"، اقبال اکادمی لاہور، طبع پنجم، ۲۰۲۲، ص ۱۴۵

2: انعام الحق کوثر، "اقبال سے چند خوشے"، سیرت اکادمی بلوچستان، ۱۹۹۴، ص ۲۳۔

3: صوفی غلام مصطفیٰ تبسم، "علامہ اقبال اور تعلیم و تربیت"، مشمولہ "تعلیماتِ اقبال" از اسلم ملک، علامہ اقبال فاؤنڈیشن، سیال کوٹ، ۱۹۸۸، ص ۱۶۷۔

4: انعام الحق کوثر، "اقبال سے چند خوشے"، سیرت اکادمی بلوچستان، ۱۹۹۴، ص ۳۲۔

5: پروفیسر سیّد محمد عبد الرشید فاضل، "اقبال اور پاکستان"، انجمن ترقّیِ اردو پاکستان، ۲۰۱۸، ص ۴۸۔

6: عابد علی عابد، سیّد، "نفائس اقبال" (مرتبہ شیما مجید)، اقبال اکادمی، لاہور، ۱۹۹۰، ص ۲۸، ۲۹۔

7: ڈاکٹر آغا یمین، "اقبال اور نژادِ نو"، بزمِ اقبال لاہور، ۱۹۸۴، ص ۸۰۔

8: محمد حامد، "افکارِ اقبال" اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۸۴ لاہور، ص ۱۵۵۔

9: صوفی غلام مصطفیٰ تبسم، "علامہ اقبال اور تعلیم و تربیت"، مشمولہ "تعلیماتِ اقبال"، از اسلم ملک، علامہ اقبال فاؤنڈیشن، سیال کوٹ، ۱۹۸۸، ص ۱۱۷۔

10: پروفیسر سیّد محمد عبد الرشید فاضل، "اقبال اور پاکستان"، انجمن ترقّیِ اردو پاکستان، ۲۰۱۸، ص ۷۷۔